کلام نبویؐ کی کرنیں

مولانا عبدالمالک

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری امت کے لیے دو امانیں نازل فرمائیں۔ ایک' اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "اللہ تعالیٰ کے لیے مناسب نہیں کہ وہ انھیں عذاب دے اس حال میں کہ آپؐ ان میں موجود ہوں"۔ اور دوسری امان' یہ ارشاد کہ "اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ انھیں عذاب دے اس حال میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں"۔ جب میں چلا جاؤں گا تو امت میں قیامت تک استغفار کی پناہ کو چھوڑ دوں گا۔ (جمع الفوائد' حدیث ۹۰۵۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود بابرکات اپنی زندگی میں امت کے لیے امان تھا اور قیامت تک کے لیے اس طرح سے امان ہے کہ آپؐ کے بعد تاقیامت اس طرح کا عذاب نہ آئے گا کہ قوم کی قوم صفحہ ہستی سے مٹا دی جائے۔

اللہ کے رسولؐ اپنے بعد ہمیں استغفار کی پناہ میں چھوڑ گئے ہیں۔ ہم استغفار ترک کر دیں تو یہ پناہ ہٹ جاتی ہے اور ہم مصائب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بارش نہ ہو' قحط پڑ جائے' مالی تنگ دستی ہو' انسانی وسائل کی کمی ہو' اللہ سے استغفار کرو' آسمان سے بارش ہو گی' مال و اولاد سے نوازے جاؤ گے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ انسان استغفار کرے گا تو پھر گناہ سے بچنے کی کوشش بھی کرے گا۔ عذاب کو دعوت دینے والوں گناہوں پر جری نہ ہو گا۔ قتل و غارت اور باہمی انتشار عام ہو تو اجتماعی استغفار کرنا چاہیے۔ اجتماعی استغفار دراصل جماعتوں اور قوموں کی خود احتسابی ہے۔ مستقبل کی راہیں اس سے کشادہ ہوتی ہیں۔ اجتماعی نظام فساد کا شکار ہو' برائیاں عام ہوں تو یہ استغفار کے اثرات کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔

○

حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے روایت ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں دعا کرتے ہوئے سنا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجے بغیر دعا شروع کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے جلد بازی کی ہے۔ پھر

• اسے بلایا اور اسے یا کسی دوسرے کو مخاطب کر کے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھے (اور اس کے آخر میں دعا کرنا چاہے) تو پہلے اللہ کی حمد و ثنا کرے، پھر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود شریف پڑھے، اس کے بعد جو دعا کرنا چاہے کرے۔ (جمع الفوائد، حدیث ۹۲۴۶)

دعا اطمینان و سکون سے مانگنا چاہیے اور اس کے آداب کا لحاظ رکھ کر--- اس طرح قبولیت کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ دعا مانگنا، سر سے بوجھ اتارنا نہیں ہے، دینے والی ذات سے کچھ مانگنا ہے۔ مانگنے والوں کی طرح مانگنا چاہیے۔ ایک اور روایت کے مطابق، انسان دعا میں درود کی کثرت کرے، دعا کا تہائی، نصف یا کل بھی درود ہو، تو ضروریات تو اللہ کے علم میں ہوتی ہیں، پوری کی جاتی ہیں۔ درود کے بغیر دعا معلق رہ جاتی ہے۔

○

حضرت محمد بن عمیرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر ایک بندہ اللہ کی اطاعت میں اپنے چہرے کے بل اپنی پیدایش کے دن سے وفات تک پڑا رہے تو آخرت میں اسے حقیر جانے گا اور آرزو کرے گا کہ دنیا کی طرف واپس آئے تاکہ اپنے اجر و ثواب کو زیادہ کرلے۔ (رواہ احمد، مشکوٰۃ شریف)

یہ آخرت کے دن کا منظر ہے۔ اب عمل کی مہلت نہ ہوگی۔ گزری ہوئی زندگی انسان کے سامنے ہوگی۔ کوئی کس لیے، کوئی کس لیے دوبارہ دنیا میں جانے کی آرزو کرے گا۔ بد، اس لیے کہ اب کے نیکی کر کے آئیں گے، اور نیک اس لیے کہ اب کے اور زیادہ طاعت کریں، تاکہ اور زیادہ اجر سے نوازے جائیں۔ انسان، زندگی غفلت میں گزار دیتا ہے، آخرت کی پروا نہیں کرتا، آخرت میں جا کر دنیا کی اس قدر و قیمت کا اندازہ ہوگا کہ وہاں جو کچھ ملا ہے، اس دنیا کی بنیاد پر ملا ہے۔ بہت زیادہ نیکی کرنے والے، ہر ہر لمحہ اللہ کے لیے گزارنے والے بھی، مزید اجر کے لالچ میں دنیا کی تمنا کریں گے۔

کیوں نہ ہم ابھی اپنی دنیا کو اپنی آخرت کی بیش از بیش کمائی کا ذریعہ بنائیں!

○

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خرچ میں میانہ روی نصف معیشت ہے۔ لوگوں سے اظہار محبت کرنا نصف عقل ہے اور اچھا سوال نصف علم ہے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کی معاشی حالت اچھی ہو، اس کے کام عقل و دانائی کے مظہر ہوں اور صاحب علم ہو۔ اللہ کے رسولؐ نے ان تینوں مقاصد کے حصول کے لیے نسخہ کیمیا بتایا لیکن یہ اشارہ بھی کر دیا کہ صرف یہی سب

کچھ نہیں' البتہ اس سے نصف منزل سر ہو سکتی ہے۔ تینوں کام' محنت کے کام نہیں' زندگی میں رویے اپنانے کا مسئلہ ہے۔ جس میں یہ رویے نہیں' توجہ دے کر اختیار کر سکتا ہے۔

مالی پریشانیوں کی ایک بڑی وجہ اخراجات میں بے اعتدالی ہے۔ آمدنی حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنا' اس میں جائز ناجائز کا خیال رکھنا نیکی' اور آج کل تو' جہاد ہے۔ بقیہ نصف بہتری آدمی اخراجات کے بارے میں میانہ روی کی عمومی روش اختیار کر کے حاصل کر سکتا ہے۔ قومی سطح کے مسئلے کا بھی یہی حل ہے۔

عقل و دانائی ملنے جلنے سے' گفتگو کرنے سے بھی آتی ہے۔ میل ملاپ کے لیے محبت کا اظہار' حسن سلوک اور حسن اخلاق کے رویے ضروری ہیں۔ اس سے دوسرے گرویدہ ہو جاتے ہیں' تعلق جوڑتے ہیں' دکھ درد اور غمی خوشی میں شریک ہوتے ہیں۔

حصول علم میں سوال کی بڑی اہمیت ہے۔ بات پوچھنے میں تکلف نہیں کرنا چاہیے۔ جو بات سوال کے جواب میں معلوم ہوتی ہے' یاد رہتی ہے۔ کھلی آنکھوں سے مشاہدہ ہو' تو سوال ضرور پیدا ہوتے ہیں۔

○

حضرت علیؓ سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سنو! کوئی بھلائی نہیں ہے اس قرات میں جس میں تدبر نہیں' اس عبادت میں جس میں تفقہ (پورا شعور) نہیں۔ (صحیح معنوں میں) کامل فقیہہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں کرتا اور انھیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بے خوف نہیں کرتا اور قرآن پاک کو بے رغبتی کی بنا پر چھوڑ کر دوسری چیز کو جو اس کی خواہش کے مطابق ہو' نہیں لیتا۔ (جمع الفوائد' حدیث ۹۶۷۲)

قرآن پاک کی تلاوت کا اصل فائدہ اسی وقت ہوتا ہے جب اس میں تدبر کیا جائے۔ تدبر کیا ہے؟ اس کے احکام' اخلاق' عبرت آموز قصے' آخرت کی تذکیر' اللہ کی عظمت و جلال' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا بیان' ان سب کو سمجھنا' ان کو اپنانا' جائزہ لینا' یہ تدبر ہے۔ اسی طرح عبادت کو سمجھ کر ادا کرنا' نماز' روزے' حج اور زکوٰۃ کے مقاصد اور تقاضوں کو سمجھ کر انھیں ادا کرنا تفقہ ہے۔

عبادات بے سوچے سمجھے نہیں' شعور کے ساتھ ادا کرنی چاہییں۔ پوری زندگی عبادت ہے۔ تفقہ یہ بھی ہے کہ قرآن پاک کے مقابلے میں کسی دوسری کتاب' اس کے حکم کے مقابلے میں کسی دوسرے حکم اور اس کے نظام کے مقابلے میں کسی دوسرے نظام کو قبول نہ کیا جائے۔

فقیہہ کے پاس لوگ مسئلے پوچھنے جاتے ہیں۔ جو حالات اور سائل کی کیفیت سے بے نیاز ہو کر مسئلہ سنا دے' امکان ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس کر دے' یا اللہ کی پکڑ سے بے خوف کر دے۔ بیم و رجا اصل ایمانی کیفیت ہے۔ ایک اچھا فقیہہ مسائل بتاتے ہوئے خیال رکھے گا کہ اس کی تعلیم سے یہی کیفیت پروان چڑھے'

نہ وہ رحمت سے مایوس ہو، نہ پکڑ سے بے خوف ہو جائے۔ یہ دونوں کیفیات بندگی کی راہ میں مانع ہیں۔ مایوس انسان سوچتا ہے کہ جب مغفرت نہیں، تو عبادت کا کیا فائدہ۔ اسی طرح جب پکڑ نہیں ہے تو عبادت کیوں کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کے احساسات سے محفوظ رکھے، رحمت کی بھی امید دے، پکڑ کا بھی خوف رہے۔

○

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کو ضعیف مومن کے مقابلے میں قوی مومن افضل اور زیادہ محبوب ہے۔ اور ہر ایک میں بھلائی ہے۔ حرص کرو اس چیز کے حصول کی جو تمھیں نفع دے۔ اللہ سے مدد مانگو اور عاجز نہ بن جاؤ۔ اگر تمھیں کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہو: اگر میں نے یوں کیا ہوتا، اس طرح کیا ہوتا تو اچھا ہوتا، بلکہ یہ کہو: اللہ کی تقدیر تھی، اس نے جو چاہا کیا۔ اس لیے کہ "اگر" شیطان کے کام کے لیے دروازہ کھول دیتا ہے۔ (رواہ مسلم)

قوی مومن وہ ہے جو اللہ کی بندگی کی زیادہ قوت رکھتا ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کو اسی لیے محبوب ہے کہ وہ زیادہ بندگی کرے گا۔ اس کی بندگی اپنی کیفیت، مقدار اور دائرے کے لحاظ سے زیادہ ہو گی۔ مومن قوی ہو یا کمزور ایمان کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ کمزور مومن بھی ایمان کے تقاضے اپنی استطاعت کے مطابق پورے کرے گا، لیکن وہ قوی سے پیچھے رہ جائے گا۔ اسی لیے قوی کی فضیلت بیان کرنے کے بعد ضعیف کا حال بھی بیان کر دیا ہے کہ وہ بھی اپنی جگہ فضیلت رکھتا ہے اور اس میں بھی بھلائی پائی جاتی ہے۔

اس حدیث میں بندگی کے کاموں کی حرص کرنے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کا عزم کرنے کی ہدایت ہے۔ عبادت اور نفع کے کاموں کا شوق بھی ہونا چاہیے اور ان کا عزم بھی۔ اللہ کے توکل پر آدمی میدان عمل میں نکل آئے، حالات اور وسائل کی بنیاد پر بے بسی کا نمونہ بن کر نہ بیٹھ جائے۔ یہ نہ سوچے کہ کچھ نہیں ہو سکتا، بلکہ اپنے پاس جو کچھ ہے اسے کام کرنے میں لگا دے۔

ناکامی کی صورت میں یہ نہ سمجھے کہ اس سے غلطی ہو گئی اور تدابیر کی غلطیوں کو بنیاد بنا کر ماضی کے اوراق کھول کر انھی کا مطالعہ کرنے نہ بیٹھ جائے اور ماضی، جو ہاتھ آنے والا نہیں ہے، کے متعلق یہ نہ سوچے کہ ماضی میں اگر یوں کیا جاتا تو بہتر تھا۔ ایسی صورت میں نقصان نہ ہوتا وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح کا "اگر مگر" شیطان کو موقع فراہم کرے گا کہ انسان کو مایوسی کا شکار کر دے۔ اگر کام اجتماعی تھا تو لوگوں کو بحث و مباحثہ میں الجھا کر ایک دوسرے سے دور کر دے گا اور انتشار پھیلا دے گا۔